© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گاندھی فلسفۂ حیات اور مسلمان

ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۳۹ء میں اچاریہ جے بی کرپلانی جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک مضمون "گاندھی جی کا راستہ" (The Gandhian way) کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اُن کی کسی کتاب کا ایک باب ہے مضمون میں جن خیالات و آرا کا اظہار کیا گیا ہے ہرچند کہ وہ شخصی اور انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے ایک جماعتی اصول و آئین پر اُن کو اثر انداز نہ ہونا چاہیے لیکن کسی جماعت معتدرہ کے جنرل سکرٹری کی حیثیت عام ممبروں سے ممتاز ہوتی ہے اور اُس کے مخصوص فرائض کے اعتبار سے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام شرکاءِ جماعت کی نگاہ میں معتبر اور قابل اعتماد ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اچاریہ جی کے اس مضمون نے جہاں ایک طرف خود اُن کی ذات کے متعلق مسلمانوں میں بے اعتمادی پیدا کردی ہے تو دوسری طرف چونکہ اُنھوں نے اس مضمون میں کانگریس کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے جس کے وہ جنرل سکرٹری ہیں اس لیے جب تک کانگریس کی ورکنگ کمیٹی ان خیالات کی تردید نہیں کرتی لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ اچاریہ کرپلانی کے ان خیالات کی حیثیت محض ذاتی نہیں بلکہ جماعتی ہے۔ اس تنقیح کے بعد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیالات پر غور کرے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ وہ کس حد تک ان خیالات کے ساتھ اتفاق کر سکتا ہے۔

مضمون کی اصل اسپرٹ یہ ہے کہ کانگریس پہلے صرف ایک سیاسی جماعت تھی اور اس لیے اس میں سیاسی اعتبار سے متحد الخیال لیکن معاشرت میں شدید اختلاف رکھنے والے لوگ مساویانہ حیثیت سے شریک ہو سکتے تھے لیکن جب سے کانگریس گاندھی جی کے زیر اثر آئی ہے وہ صرف ایک سیاسی جماعت نہیں رہی بلکہ اُس کے تمام کل پُرزے گاندھی جی کے مخصوص فلسفۂ حیات کے الکٹرک اسٹیم سے متحرک ہونے لگے ہیں اور اُس کا دائرۂ عمل سیاست کی حد بندیوں کو توڑ کر معاشرت، اخلاق، اور روحانیت ان سب کو محیط ہو گیا ہے۔ گاندھی جی ہندوستان میں جو ایک ہمہ گیر انقلاب ـــــ ایسا ہمہ گیر کہ زندگی کا کوئی شعبہ اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے ـــــ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اُس کے لیے اُنھوں نے کانگریس کو آلۂ کار بنایا ہے اور وہ بڑی حکمت عملی کے ساتھ تدریجی طور پر یہ انقلاب پیدا کر رہے ہیں یعنی اُنھیں اپنے ہمہ گیر انقلابی پروگرام کو عمل میں لانے کے لیے جیسے جیسے مواقع میسر ہوتے جاتے ہیں، اور اُس کے لیے سہولتیں بہم پہنچتی رہتی ہیں اُنھیں کے مطابق وہ اپنے پروگرام کو چلانے میں کامیاب ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ کانگریس نے جونہی وزارت قبول کرنے کا فیصلہ کیا گاندھی جی نے فوراً انسدادِ شراب نوشی اور تعلیمی اصلاح کا پروگرام پیش کر دیا اور کانگریسی وزارتوں کے ہاتھ سے اُس کو نافذ کرایا۔ اسی طرح اُن کی مختلف معاشرتی تحریکات شدھی، سنگٹھن، اچھوت اُدھار وغیرہ سب اسی قسم کی تحریکیں ہیں جو خالص معاشرتی اور معاشی تحریکیں ہیں لیکن اُن کو نافذ کرنے کے لیے جس سیاسی اقتدار کی ضرورت ہے وہ کانگریس کی وساطت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ان اُمور کے ذکر کے دوران میں آچاریہ کرپلانی نے بار بار شد و مد کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کانگریس کے عقیدہ (Creed) میں جس کا تمام تار و پود گاندھی جی کے فلسفۂ حیات سے تیار ہوا ہے اور جس کی رو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پذیری سیاست، معاشرت، اخلاق، اور روحانیت سب کو شامل ہے، اُس میں اور کانگریس کے پروگرام میں ایک عضویاتی انسلاک وارتباط پایا جاتا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ ناخن کا گوشت سے یا ایک عضو کو دوسرے عضو سے جُدا کرنا۔ اس بنا پر جو شخص کانگریس کے پروگرام کو تو مانتا ہے لیکن اُس کے عقیدہ کو یعنی گاندھی جی کے فلسفۂ حیات کو تسلیم نہیں کرتا وہ صحیح معنی میں کانگریسی نہیں ہے۔ اور ایسے لوگوں کا کانگریس میں رہنا بجائے فائدہ رساں ہونے کے کانگریس کے کاز کے لیے سخت مضرت رساں ہے۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ اچاریہ کرپلانی کے اس مضمون کا خطاب براہ راست سوشلسٹ پارٹی سے ہے اور اسی بنا پر اُنھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ گاندھی ازم اور کمونزم یا سوشلزم ان دونوں میں بڑا تضاد ہے اور چونکہ کانگریس کی تمام عملی تحریکات گاندھیزم کے ماتحت چل رہی ہیں اس لیے سوشلسٹ پارٹی کو کانگریس سے دست بردار ہوجانا چاہیے یعنی اگر وہ کانگریس میں آتے ہیں تو گاندھی ازم کے عقیدہ کو قبول کرکے آئیں، ورنہ کانگریس میں اُن کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن ہم یقین رکھتے ہیں کہ جس طرح گاندھی ازم اور سوشلزم یا بالشوزم میں تضاد ہے، اسی طرح گاندھی ازم اور محمدزم میں بھی تضاد ہے۔ دونوں کا فلسفۂ حیات ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے اور یہ ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے کہ جب تک مسجد ومندر، اور تسبیح شیخ و زنار گبر ایک نہیں ہوسکتے۔ محمدزم اور گاندھی ازم میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ دونوں کا معیار اخلاق و روحانیت جُدا جُدا۔ دونوں کا نظریہ معاشرت و معیشت الگ الگ ہے۔ اس بنا پر اچاریہ کرپلانی نے جو خطاب سوشلزم سے کیا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اُس کے مخاطب ہندستان کے وہ نو کروڑ فرزندان توحید بھی بن جاتے ہیں جن کی نظر میں گاندھی ازم کو محمدزم کے بالمقابل وہ ادنیٰ وقعت بھی حاصل نہیں ہے جو مٹی کے ایک تودہ کو ہمالیہ کی نانگا پربت چوٹی کے مقابلہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں۔ یا ایک چابی سے چلنے والی گڑیا کو کسی تندرست اور نوجوان انسان کے مقابلہ میں حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمان اپنی مذہبی تعلیمات کی روشنی میں ایک بڑے انسان کی حیثیت سے گاندھی جی کا احترام کر سکتے ہیں اور انہیں کرنا چاہیے لیکن کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی مسلمان جب تک کہ وہ مسلمان ہے، اور محمد عربی ؐ کی غلامی کا حلقہ گوشِ جان و دل میں ڈالے ہوئے ہے، یہ تصور کر سکتا ہے کہ وہ معاشرت، اخلاق اور روحانیت میں گاندھی جی کا فلسفۂ حیات قبول کریگا؟ اور اپنی تشنگی فرو کرنے کے لیے آبِ زمزم کو چھوڑ کر گنگ و جمن کا پانی چلو بھر بھر کر پیے گا۔ حاشا و کلّا ولو اتت الساعۃ وزلزلت الارض زلزالھا

اچاریہ کرپلانی کا یہ بیان یقیناً اُن مخلص اور دیندار مسلمانوں کے لیے بے حد یاس انگیز ہے جو نیک نیتی کے ساتھ کانگریس میں محض اس لیے شریک ہیں کہ کانگریس تمام اقوام ہند کی ایک مشترک سیاسی جماعت ہے اور اس کا مقصد ہندوستان کو اجنبی تسلط و اقتدار سے اجتماعی کوششوں کے ذریعہ آزاد کرانا ہے اور خود کانگریس کی طرف سے اب تک بار بار جو اعلانات ہوتے رہے ہیں اور کلچرل اٹانومی وغیرہ کے سلسلہ میں اُس نے اب تک جو تجاویز پاس کی ہیں اُن سے بھی اسکی ہی تائید ہوتی تھی کہ کانگریس صرف ایک سیاسی جماعت ہے، اس سے متجاوز ہو کر وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی کہ مختلف اقوام ہند کو کسی مخصوص فلسفۂ حیات کی روشنی میں روحانیت و اخلاق اور معاشرتی اصلاح کی کسی خاص اسکیم کا پابند بنائے۔ کانگریس وزارتوں نے انسدادِ شراب نوشی کی جو تحریک کی تھی مسلمانوں نے اُس کی پُر زور تائید محض اس لیے کی تھی کہ وہ عین تعلیماتِ اسلام کے مطابق تھی، اس تائید کی بنیاد یہ ہرگز نہ تھی کہ یہ تحریک گاندھی فلسفۂ حیات کی پیروی کی راہ سے معرضِ وجود میں آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیندار مسلمانوں نے جس طرح انسدادِ شراب نوشی کی تحریک میں کانگریس کی مدد کی اسی طرح اُنھوں نے بڑی صفائی کے ساتھ وردھا تعلیمی اسکیم کی مخالفت میں سرگرمی دکھائی اور خود کانگریسی مسلمانوں نے اُس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ کیونکہ یہ اسکیم اگرچہ گاندھی فلسفۂ حیات کے عین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق تھی لیکن اس کے بعض اجزا محمدی فلسفۂ حیات کے خلاف تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کے لیے ناممکن تھا کہ وہ ان اجزار کو قبول کر لیتے۔

اچاریہ کرپلانی کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ صرف ایک وردھا تعلیمی اسکیم نہیں، بلکہ اسی طرح کی جتنی معاشرتی روحانی اور اخلاقی اسکیمیں اُنکے سامنے پیش کی جائینگی جو گاندھی فلسفۂ حیات کے مطابق ہونے کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابلِ قبول ہونگی مسلمان اُنکی مخالفت اسی شد و مد کے ساتھ کرینگے اور اُنکے نفاذ کی راہ میں اجتماعی احتجاج سے طرح طرح کی رُکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کرینگے۔ مسلمانوں کی راہ بالکل کھلی ہوئی ہے، اُن کے متعلق کرپلانی جی یا کسی اور زعیم کانگریس کو مغالطے میں نہ رہنا چاہیے۔ مسلمان کسی دوسری جماعت سے سیاسی مقصد میں متفق ہو کر سیاسی پروگرام میں عملی اشتراک کر سکتے ہیں، لیکن یاد رکھیے وہ اپنی معاشرت، اور فلسفۂ حیات و روحانیت کو کسی دوسرے کے فلسفہ سے کسی قیمت میں بھی بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مسلمانوں کی یہ پوزیشن جس طرح آج واضح ہے کل بھی واضح تھی، اُنھوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کا کبھی اخفا نہیں کیا۔ اب کرپلانی صاحب بتائیں کہ مسلمانوں کے متعلق اس علم کے باوجود پھر جو آپ نے مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت کی دعوت دی تو کیا آپ کا یہ بلاوا سراسر مکر و فریب اور خدع و ریا پر مبنی نہیں تھا۔ کیا آپ نے اُن کے ساتھ واقعی تمسخر اور استہزا نہیں کیا۔ کیا آپ نے اُن کی ذہنیتوں کو اپنی سیاست کا ایک بازیچہ نہیں بنایا، مسٹر کرپلانی دو الزاموں میں سے ایک الزام سے نہیں بچ سکتے۔ اُنھوں نے کانگریس کے نقطۂ خیال کی جو ترجمانی کی ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس کو صحیح تسلیم کیجیے یا غلط قرار دیجیے۔ اگر وہ صحیح ہے اور غالباً اسی وجہ سے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبروں میں سے کسی ممبر نے، خود گاندھی جی نے اور صدر کانگریس نے کسی نے اس بیان کی اب تک تردید نہیں کی ہے تو آپ کو یہ ماننا پڑیگا کہ آپ کا کراچی کا رزولیوشن، آپ کے اعلانات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب مسلمانوں کے لیے ایک ہمہ رنگ زمین دام بچھانے کی کوششوں کے سلسلہ میں تھے اور یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا کہ مسلمانوں کو الگ کسی ایک قومی پلیٹ فارم پر جمع نہ ہونے دیا جائے، اور ان کی صلاحیتوں کو پراگندہ کر کے اور اُن کی عملی ہم آہنگیوں میں انتشار پیدا کر کے انہیں کانگریس میں شریک کرنے کے بعد اقلیت کی بھاری چٹان کے نیچے لاکر کچل دیا جائے، اور پھر کانگریسی وزارتوں کے آہنی پنجوں سے اُن کے پر و بال نوچ کر اُنہیں ایسا دست و پا بریدہ بنا دیا جائے کہ وہ ستم ایجادیِ قاتل کا شکوہ کرنے کے قابل بھی نہ رہیں، اور اگر یہ بیان صحیح نہیں بلکہ غلط ہے جیسا کہ کانگریس کی اصولی تجاویز سے اسکی تائید ہوتی ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ کرپلانی صاحب نے یہ بیان دے کر سراسر جھوٹ بولا ہے، اور اُنھوں نے اُس جماعت کی بالکل غلط اور گمراہ کن ترجمانی کی ہے جس کے وہ سکرٹری ہیں۔ اس دوسری صورت میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا فرض ہے کہ وہ اس بیان کی تردید میں ایک متفقہ بیان شائع کر کے کانگریس کی صحیح پوزیشن واضح کردیں اور ساتھ ہی کرپلانی صاحب کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کریں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر سوبھاش بابو کے خلاف اُن کے چند بیانات کی وجہ سے کوئی سخت تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے تو آج مسٹر کرپلانی کے خلاف اُن کے اس غیر ذمہ دارانہ بیان کی بنا پر کوئی تنبیہی کارروائی کیوں نہیں ہوسکتی۔

اس مرحلہ پر ہم بالکل صفائی کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ مسٹر کرپلانی کے اس مضمون کو شائع ہوئے ایک ماہ سے زیادہ ہوچکا ہے، اس مدت میں متعدد اسلامی جرائد نے اس مضمون کے خلاف پُر زور احتجاجی مضامین لکھے اور متعدد مسلمان ارباب سیاست نے اپنی تحریروں کے ذریعہ اس کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ ادھر یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن اُدھر سے اب تک سکوت مسلسل اور خاموشی پیہم ہے۔ آج گاندھی جی بھی چپ ہیں، جن کو اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لیے بار بار بیانات دینے کا بڑا شوق ہے اور آج ان لوگوں کے لبوں پر بھی مہر سکوت لگی ہوئی ہے جو کانگریس کی طرف سے دفاع کرنے میں سب سے پیش پیش رہتے ہیں۔ کیا اس خاموشی کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ گویا یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ مسٹر کرپلانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ اور واقعی کانگریس گاندھی ازم کو دنیا میں پھیلانے والی ایک جماعت ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد ہم ایک طرف جہاں گاندھی جی کی قوت تسخیر اور عظمت و بزرگی کے ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ وہ کانگریس کے ممبر نہ ہونے کے باوجود اپنی شخصیت کے اثر سے ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کو اپنی انگلیوں کے اشارہ پر چلانے میں کامیاب ہوگئے ہیں تو دوسری طرف ہمیں صاف طور پر کانگریس سے بیزاری کا اعلان کرنا چاہیے مسٹر کرپلانی کے بیان سے اُن تمام اعتراضات کی تائید و تصدیق ہوجاتی ہے جو اب تک کانگریس کے

© rasailojaraid.com

خلاف غیر کانگریسی مسلمانوں کی طرف سے کیے جاتے رہے ہیں، ان لوگوں کا سب سے بڑا اعتراض متحدہ قومیت کا ہے، اور ظاہر ہے اس مضمون کا ماحصل یہی ہے کہ کانگریس مختلف قومی امتیازات مٹا کر سب کو ایک ہی قومیت میں منسلک کرنا چاہتی ہے۔ ان دو تین سال کی مدت میں کانگریس میں جو جو تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں انکے پیش نظر کہا جاتا تھا کہ کانگریس سے جمہوریت کی روح فنا ہو گئی ہے اور اسکی جگہ آمریت نمایاں ہوتی جاتی ہے، سی پی کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، سبھاش بابو کو جس جس طرح صدارت سے استعفا دینے پر مجبور کیا گیا۔ پھر تری پورہ کے اجلاس کانگریس میں پنڈت پنت کا رزولیوشن۔ یہ سب اس رُخ کی طرف اشارہ کرتے تھے جدھر کانگریس آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں سے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج مسٹر کرپلانی کے اس مضمون نے ان تمام شبہات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے لیے صرف دو ہی طریقہائے کار ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کانگریس کی اصولی اور بنیادی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر کانگریس میں اس کثرت سے شریک ہوں کہ کرپلانی ایسی ناروا ذہنیت رکھنے والے کانگریسیوں کو مایوس ہو جانا پڑے۔ اس میں شک نہیں تعداد کے لحاظ سے مسلمان پھر بھی اقلیت میں رہینگے لیکن اگر مجموعی حیثیت سے وہ ایک زبردست عزم و حوصلہ کے ساتھ کانگریس میں شریک ہو کر اس کے پورے نظام پر قابض ہو جائیں تو اُس کو ایک صحیح شاہراہ پر چلا سکتے ہیں اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر انہیں چاہیے کہ سب اپنے اپنے اختلافات مٹا کر ایک واحد قومی پلیٹ فارم پر مجتمع ہو جائیں اور ایک زبردست ولولہ کار کے ساتھ جداگانہ قومیت کی لائن پر اپنی تنظیم کریں۔ مسلمانوں کے لیے کانگریس میں داخلہ صرف اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جبکہ وہ بھاری اکثریت کے ساتھ اُس میں شامل ہوں اور وہاں اپنی موثر نمائندگی سے کانگریس کے کاروبار کی نگرانی کر سکیں۔ صرف چند نامور مسلمانوں کا وہاں ہونا جبکہ انہیں قوم کی اکثریت کی نمائندگی حاصل نہ ہو کسی حالت میں منفعت بخش نہیں ہو سکتا۔

کانگریس میں اکثریت رکھنے والی قوم اگر اقتدار کے نشہ میں مست ہے تو اُسے واضح طور پر معلوم ہو جانا چاہیے کہ آج کے افتراق و پراگندگی سے فائدہ اٹھا کر وہ جو چاہیں کہہ دیں، اور کریں لیکن نبی عربی ؐ کے یہ حلقہ بگوش اگر ایک مرکز پر جمع ہو گئے تو بتا سکتے ہیں کہ گاندھی کا فلسفۂ حیات زیادہ قابل قبول ہے یا اُس قوم کا فلسفۂ روحانیت اور نظام اخلاق و معاشرت اصول فطرت کے عین مطابق ہے جس نے سات سو برس تک دنیا کی جاہل اور وحشی قوموں کو درس اخلاق و تہذیب دیا اور جس نے حضیض ذلت میں پڑی ہوئی قوموں کو تربیت دے کر مہذب و متمدن بنا دیا۔ اس وقت